NEHRU
BAL PUSTAKALAYA
عیدگاہ
پریم چند

پہلا ایڈیشن (1983 ساکا 1905)
دوسرا ایڈیشن (1984 ساکا 1906)

قیمت Rs. 2.50

IDGAH(Urdu)

PUBLISHED BY THE DIRECTOR
NATIONAL BOOK TRUST, INDIA
A-5, GREEN PARK, NEW DELHI-110016
AND PRINTED AT SHUCHI PVT. LTD.
1-E, JHANDEWALAN, NEW DELHI-110055

نہرو بال پستکالیہ — 62

عیدگاہ

پریم چند

مصوّر
پی، بی، کوادی

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، نئی دہلی

عیدگاہ

رمضان کے پورے تیس روزوں کے بعد آج عید آئی ہے۔ کتنی سہانی اور رنگین صبح ہے۔ درختوں پر کچھ عجیب ہریالی ہے۔ کھیتوں میں کچھ عجیب رونق ہے۔ آسمان پر کچھ عجیب رنگینی ہے۔ آج سورج دیکھو کتنا پیارا ہے، کتنا ٹھنڈا ہے گویا دنیا کو عید کی مبارکباد دے رہا ہے۔ گاؤں میں کتنی چہل پہل ہے۔ عیدگاہ جانے کی دھوم ہے۔ کسی کے کرتے میں بٹن نہیں ہے تو وہ پڑوس کے گھر سے سوئی تاگا لینے جا رہا ہے۔ کسی کے جوتے سخت ہو گئے ہیں، وہ انھیں تیل اور پانی سے نرم کر رہا ہے۔ کوئی جلدی سے بیلوں کو سانی پانی دے رہا ہے۔ عیدگاہ سے لوٹتے لوٹتے دوپہر ہو جائے گی۔ تین کوس کا پیدل راستہ پھر سینکڑوں رشتے قرابت والوں سے ملنا ہے۔ دوپہر سے پہلے لوٹنا غیر ممکن ہے۔ بچّے سب سے زیادہ خوش ہیں۔ کسی نے ایک روزہ رکھا، وہ بھی دوپہر تک، کسی نے وہ بھی نہیں لیکن عیدگاہ جانے کی خوشی ان ہی کا حصّہ ہے۔ روزے بڑے بوڑھوں کے لیے ہوں گے، بچّوں کے لیے تو عید ہے۔ روز عید کا نام رٹتے تھے، آج وہ آ گئی۔ اب جلدی پڑی ہوئی ہے کہ عیدگاہ کیوں نہیں چلتے۔ انھیں گرہستی کی فکروں سے کیا واسطہ؟ سویّوں کے لیے گھر میں دودھ شکر اور میوے ہیں کہ نہیں، ان کی بلا سے۔ وہ کیا جانیں کہ ابا کیوں بدحواس گاؤں کے مہاجن چودھری کریم علی کے گھر دوڑے جا رہے ہیں۔ انھیں کیا خبر کہ اگر آج چودھری آنکھیں بدل لے تو عید محرّم ہو جائے۔ ان کی اپنی جیبوں میں قارون کا خزانہ رکھا ہوا ہے۔ بار بار اپنی جیب سے

اپنا خزانہ نکال کر گنتے ہیں اور خوش ہو کر رکھ لیتے ہیں۔ محمود گنتا ہے۔ ایک دو، دس بارہ۔ اس کے پاس بارہ پیسے ہیں۔ محسن کے پاس ایک دو تین، آٹھ نو، پندرہ پیسے ہیں۔ جو وہ دوستوں کو دکھاتے ہیں اور خوش ہو کر رکھ لیتے ہیں۔ ان دو چار پیسوں میں دنیا کی ساری نعمتیں لائیں گے — کھلونے، مٹھائیاں اور بگل اور خدا جانے کیا، کیا!

آج سب سے زیادہ خوش حامد ہے۔ وہ چار پانچ سال کا غریب صورت دبلا پتلا بچّہ ہے جس کا باپ پچھلے سال ہیضے کی نذر ہو گیا اور ماں نہ جانے کیوں پیلی پڑتے پڑتے ایک دن مر گئی۔ کسی کو پتہ نہ چلا کہ کیا بیماری تھی۔ کہتی کس سے؟ کون سننے والا تھا! دل پر جو گزرتی تھی سہتی تھی اور جب سہا نہ گیا تو دنیا سے رخصت ہو گئی۔ اب حامد اپنی بوڑھی دادی امینہ کی گود میں سوتا ہے اور خوب خوش ہے ـــــ اس کے ابّا جان روپے کمانے گئے ہیں۔ بہت سی تھیلیاں لے کر آئیں گے۔ امّی جان اللہ میاں کے گھر اس کے لیے بڑی اچھی اچھی چیزیں لینے گئی ہیں، اس لیے حامد خوش ہے۔

امید تو بہت بڑی چیز ہے اور پھر بچّوں کی امید! ان کا تصوّر تو رائی کو پہاڑ بنا لیتا ہے۔ حامد کے پاؤں میں جوتے نہیں ہیں۔ سر پر ایک پرانی دُھرانی ٹوپی ہے جس کا گوٹا کالا پڑ گیا ہے۔ پھر بھی وہ خوش ہے۔ جب اس کے ابّا جان روپوں کی تھیلیاں اور امّی جان طرح طرح کی چیزیں لے کر آئیں گی تب وہ دل کے ارمان نکالے گا اور دیکھے گا کہ محمود اور محسن، نور اور سمیع کہاں سے اتنے پیسے لے کر آتے ہیں۔

بدنصیب امینہ اپنی کوٹھری میں بیٹھی رو رہی تھی۔ آج عید کا دن ہے اور اس کے گھر میں دانہ نہیں ہے۔ آج عابد زندہ ہوتا تو کیا اسی طرح عید آتی اور چلی جاتی۔ اس تاریکی اور مایوسی میں وہ ڈوبی جا رہی ہے۔ کس نے بلایا تھا اس نگوڑی عید کو؟ اس گھر میں اس کا کام نہیں، لیکن حامد ـــــ اسے کسی کے مرنے جینے سے کیا مطلب؟ اس کے اندر روشنی ہے، باہر امید ـــــ

حامد اندر جاکر دادی سے کہتا ہے: "تم ڈرنا نہیں امّاں، میں گاؤں والوں کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ میں سب سے پہلے آؤں گا۔ بالکل نہ ڈرنا۔"

لیکن امینہ کا دل نہیں مانتا۔ گاؤں کے بچّے اپنے اپنے باپ کے ساتھ جارہے ہیں — حامد کیا اکیلا ہی جائے گا — اس بھیڑ بھاڑ میں کہیں کھو گیا تو کیا ہوگا۔ نہیں امینہ اسے یوں نہ جانے دے گی۔ ننھی سی جان، تین کوس چلے گا کیسے۔ پاؤں میں چھالے نہ پڑ جائیں گے۔ جوتے بھی تو نہیں ہیں۔ وہ اگر ساتھ جائے تو تھوڑی دور پر اسے گود میں اٹھالے گی لیکن پھر یہاں سوّیاں کون پکائے گا۔ پیسے ہوتے تو لوٹتے لوٹتے سارا سامان اکٹھا کر کے جھٹ پٹ بنا لیتی۔ یہاں تو گھنٹوں چیزیں جمع کرنے میں لگیں گے۔ مانگنے ہی کا تو بھروسہ ٹھیرا۔ اس دن فہیمن کے کپڑے سیے تھے۔ آٹھ آنے ملے تھے۔ اس اٹھنی کو ایمان کی طرح بچاتی چلی آرہی تھی اس عید کے لیے لیکن کل گوالن سر پر سوار ہو گئی تو کیا کرتی۔ حامد کے لیے کچھ نہیں ہے تو دو پیسے کا دودھ تو چاہیے ہی۔ اب تو لے دے کے

دو آنے بچے ہیں۔ تین پیسے حامد کی جیب میں اور پانچ پیسے امینہ کے بٹوے میں۔ یہ تو حیثیت ہے اور عید کا ہے تہوار! اللہ ہی بیڑا پار لگائے۔ دھوبن، نائن، مہترانی اور چوڑی والی، غرض سب ہی تو آئیں گی اور سبھی کو سوّیاں چاہییں اور تھوڑی چیز کسی کی آنکھ کو نہیں جچتی۔ کس کس سے منھ چرائے گی — اور منھ کیوں چرائے؟ سال بھر کا تیوہار ہے۔ زندگی خیریت سے رہے، ان کی تقدیر بھی تو اسی کے ساتھ ہے۔ بچّے کو خدا سلامت رکھے، یہ دن بھی کٹ جائیں گے۔

گاؤں سے میلہ چلا۔ اور بچّوں کے ساتھ حامد بھی جا رہا تھا۔ کبھی سب کے سب دوڑ کر آگے نکل جاتے اور کسی پیڑ کے نیچے کھڑے ہو کر ساتھ والوں کا انتظار کرتے۔ یہ لوگ کیوں اتنے دھیرے دھیرے چل رہے ہیں۔ حامد کے پیروں میں جیسے پر لگ گئے ہیں۔ وہ بھلا کبھی تھک سکتا ہے؟ شہر کی حد آگئی۔ سڑک کے دونوں طرف امیروں کے باغ بغیچے ہیں۔ پختہ چار دیواری بنی ہوئی ہے۔ پیڑوں میں آم اور لیچیاں لگی ہوئی ہیں۔ کبھی کبھی کوئی لڑکا کنکر اٹھا کر آم پر نشانہ لگاتا ہے۔ مالی اندر سے گالی دیتا ہوا نکلتا ہے۔ لڑکے وہاں سے ایک فرلانگ پرے ہیں۔ خوب ہنس رہے ہیں۔ مالی کو کیسا الّو بنایا ہے۔

بڑی بڑی عمارتیں آنے لگیں۔ یہ عدالت ہے، یہ کالج ہے، یہ کلب ہے۔ اتنے بڑے کالج میں لڑکے پڑھتے ہوں گے؟ سب لڑکے نہیں ہیں جی۔ بڑے بڑے آدمی ہیں، سچ! ان کی بڑی بڑی مونچھیں ہیں۔ اتنے بڑے ہو گئے، ابھی تک پڑھنے جاتے ہیں۔ نہ جانے کب تک پڑھیں گے اور کیا کریں گے اتنا پڑھ کر۔ حامد کے مدرسے میں دو تین بڑے بڑے لڑکے ہیں، بالکل تین کوڑی کے۔ روز مار کھاتے ہیں کام سے جی چرانے والے۔ اس جگہ بھی اسی طرح کے لوگ ہوں گے اور کیا! کلب میں جادو ہوتا ہے۔ سنا ہے یہاں مردے کی کھوپڑیاں دوڑتی ہیں اور بڑے بڑے تماشے ہوتے ہیں، پر کسی کو اندر نہیں جانے دیتے۔ اور یہاں شام کو صاحب لوگ کھیلتے ہیں۔

بڑے بڑے آدمی کھیلتے ہیں، مونچھ داڑھی والے۔ اور میمیں کھیلتی ہیں۔ سچ! ہماری اماں کو وہ دیدو، کیا نام ہے، بیٹ، تو اسے پکڑ ہی نہ سکیں۔ گھماتے ہی لڑھک نہ جائیں۔

محمود نے کہا — ہماری اماں جان کے تو ہاتھ کانپنے لگیں، اللہ قسم۔

محسن بولا — امّی منوں آٹا پیس ڈالتی ہیں لیکن ذرا سا بیٹ پکڑ لیں گی تو ہاتھ کانپنے لگیں گے۔ سینکڑوں گھڑے پانی کنویں سے روز نکالتی ہیں۔ پانچ گھڑے تو میری بھینس پی جاتی ہے۔ کسی میم کو ایک گھڑا پانی بھرنا پڑے تو آنکھوں تلے اندھیرا آجائے۔

محمود — لیکن دوڑتی تو نہیں، اچھل کود تو نہیں کر سکتیں۔

محسن — ہاں، اچھل کود نہیں کر سکتیں، لیکن اُس دن میری گائے کھُل گئی تھی اور چودھری کے کھیت میں جا پڑی تھی تو اماّں اتنی تیز دوڑیں کہ میں اُنھیں پا نہ سکا، سچ!

آگے چلے۔ حلوائیوں کی دوکانیں شروع ہوئیں۔ وہ آج خوب سجی ہوئی تھیں۔ اتنی مٹھائیاں کون کھاتا ہے؟ دیکھو نا، ایک ایک دوکان پر منوں ہوں گی۔ سنا ہے رات کو جِنّات آکر خرید لے جاتے ہیں۔ ابّا کہتے تھے کہ آدھی رات کو ایک آدمی ہر دوکان پر جاتا ہے اور جتنا مال بچا ہوتا ہے، وہ تُلوا لیتا ہے اور سچ مچ کے روپے دیتا ہے، بالکل ایسے ہی روپے۔

حامد کو یقین نہ آیا۔ ایسے روپے جِنّات کو کہاں سے مل جائیں گے؟

محسن نے کہا — جنّات کو روپوں کی کیا کمی؟ جس خزانے میں چاہیں، چلے جائیں۔ لوہے کے دروازے تک انھیں نہیں روک سکتے جناب، آپ ہیں کس پھیر میں! ہیرے جواہرات تک ان کے پاس رہتے ہیں۔ جس سے خوش ہو گئے اسے ٹوکروں جواہرات دیدیے۔ ابھی یہیں بیٹھے ہیں، پانچ منٹ میں کلکتے پہنچ گئے۔

حامد نے پھر پوچھا — جنّات بہت بڑے بڑے ہوتے ہوں گے؟

محسن — ایک ایک آسمان کے برابر ہوتا ہے جی۔ زمین پر کھڑا ہو جائے تو اس کا سر آسمان سے جا لگے، مگر چاہے تو ایک لوٹے میں گھس جائے۔

حامد — لوگ انھیں کیسے خوش کرتے ہوں گے؟ کوئی مجھے وہ منتر بتا دے تو ایک جن کو خوش کر لوں۔

محسن — یہ تو میں نہیں جانتا لیکن چودھری صاحب کے قابو میں بہت سے جنّات ہیں۔ کوئی چیز چوری جائے، چودھری صاحب اس کا پتہ لگا دیں گے اور چور کا نام بھی بتا دیں گے۔ جمراتی کا بچھڑا اس دن کھو گیا تھا، تین دن حیران ہوئے، کہیں نلاتب

جھک مار کر چودھری کے پاس گئے۔ چودھری نے فوراً بتا دیا کہ مویشی خانہ میں ہے اور وہیں ملا۔ جنّات آکر انھیں سارے جہاں کی خبریں دے جاتے ہیں۔

اب حامد کی سمجھ میں آگیا کہ چودھری کے پاس اتنی دولت کیوں ہے اور کیوں ان کی اتنی عزت ہے۔

اب آبادی گھنی ہونے لگی تھی۔ عید گاہ جانے والوں کی ٹولیاں نظر آنے لگیں۔ ایک سے ایک بھڑکیلے کپڑے پہنے ہوئے — کوئی اکّے تانگے پر سوار، کوئی موٹر پر — سبھی عطر میں بسے، سب ہی کے دلوں میں امنگ — گاؤں والوں کا یہ چھوٹا سا گروہ اپنے آپ میں مگن، چاروں طرف سے بے خبر اطمینان سے چلتا جا رہا تھا۔ بچّوں کے لیے شہر کی سب ہی چیزیں انوکھی تھیں۔ جس چیز کی طرف دیکھتے، دیکھتے ہی رہ جاتے اور پیچھے سے بار بار ہارن کی آواز پر بھی خبر نہ ہوتی۔ حامد تو موٹر کے نیچے آتے آتے بچا۔

اچانک عید گاہ نظر آئی۔ اوپر املی کے گھنے درختوں کا سایہ ہے۔ نیچے پکّا فرش ہے، جس پر جازم بچھا ہوا ہے اور روزہ داروں کی قطاریں، ایک کے پیچھے ایک نہ جانے

کہاں تک چلی گئی ہیں، پختہ فرش کے نیچے تک جہاں جازم بھی نہیں ہے۔ نئے آنے والے آکر پیچھے کی قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آگے جگہ نہیں ہے۔ یہاں کوئی رتبہ، کوئی عہدہ نہیں دیکھا جاتا۔ اسلام کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ ان دیہاتیوں نے بھی وضو کیا اور جماعت میں شامل ہو گئے۔ کتنی باقاعدہ تنظیم ہے۔ لاکھوں آدمی ایک ساتھ جھکتے ہیں، پھر سب کے سب ایک ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک ساتھ جھکتے اور ایک ساتھ گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے ہیں۔ کئی بار یہی عمل ہوتا ہے۔ جیسے بجلی کی لاکھوں بتّیاں ایک ساتھ روشن ہوں اور ایک ساتھ بجھ جائیں اور یہ سلسلہ چلتا رہے۔

نماز ختم ہو گئی ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہیں۔ پھر مٹھائی اور کھلونوں کی دوکانوں پر دھاوا ہوتا ہے — ہمارے دیہاتیوں کا یہ گروہ اس معاملے میں بچّوں سے کم پر جوش نہیں ہے۔ یہ دیکھو، ہنڈولا ہے، ایک پیسہ دے کر چڑھ جاؤ۔ کبھی آسمان پر جاتے ہوئے معلوم ہو گے، کبھی زمین پر گرتے ہوئے۔ یہ چرخی ہے۔ لکڑی کے ہاتھی گھوڑے اونٹ چھڑوں سے لٹکے ہوئے ہیں۔ ایک پیسہ دے کر بیٹھ جاؤ اور پچیس چکروں کا مزا لو۔ محمود، محسن، نورے اور سمیع ان گھوڑوں اور اونٹوں پر بیٹھتے ہیں۔ حامد دور کھڑا ہے۔ تین ہی پیسے تو اس کے پاس ہیں۔ اپنے خزانے کا تیسرا حصّہ ذرا سا چکّر کھانے کے لیے وہ نہیں دے سکتا۔

سب چرخیوں سے اترتے ہیں۔ اب کھلونے لیں گے۔ ادھر دوکانوں کی قطاریں لگی ہوئی ہیں۔ طرح طرح کے کھلونے ہیں — سپاہی اور گجریا، راجا اور وکیل، بھشتی اور دھوبی اور سادھو۔ واہ، کتنے سندر کھلونے ہیں! بس اب بولا ہی چاہتے ہیں۔ محمود

فیاض نہیں ہوتے خاص طور سے اس وقت جب نیا شوق ہو۔ حامد للچا تا رہ جاتا ہے۔ کھلونوں کے بعد مٹھائیوں کی دوکانیں آتی ہیں۔ کسی نے ریوڑیاں لی ہیں، کسی نے گلاب جامن اور کسی نے سوہن حلوا۔ مزے سے کھا رہے ہیں۔ حامد برادری سے باہر ہے۔ بد قسمت کے پاس صرف تین پیسے ہیں، کیوں نہیں کچھ لے کر کھاتا؟ للچائی نظروں سے سب کی طرف دیکھ رہا ہے۔

محسن کہتا ہے — حامد ریوڑی لے جا، کتنی خوشبودار ہے۔

حامد کو شبہ ہوا کہ یہ محض شرارت ہے۔ محسن اتنا فیاض نہیں ہے۔ لیکن یہ جانتے

محسن کہتا ہے — میرا بھشتی روز پانی دے جائے گا، صبح شام۔

محمود — اور میرا سپاہی گھر کا پہرا دے گا۔ کوئی چور آئے گا تو فوراً بندوق سے فیر کر دے گا۔

نورے — اور میرا وکیل خوب مقدمہ لڑے گا۔

سمیع — اور میرا دھوبی روز کپڑے دھوئے گا۔

حامد کھلونوں کی بُرائی کرتا ہے — مٹی کے تو ہیں۔ گریں تو چکنا چور ہو جائیں۔ لیکن للچائی ہوئی آنکھوں سے کھلونوں کو وہ بھی دیکھ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ ذرا دیر کے لیے انھیں اپنے ہاتھ میں لے سکتا۔ اس کے ہاتھ بے ساختہ بڑھتے ہیں لیکن لڑکے اتنے
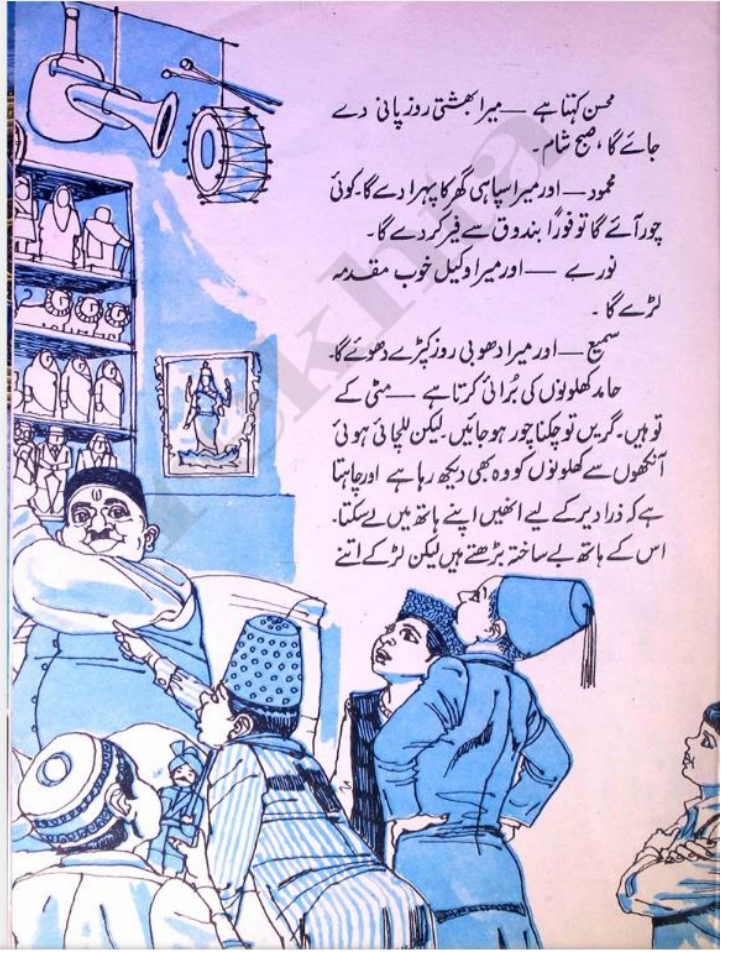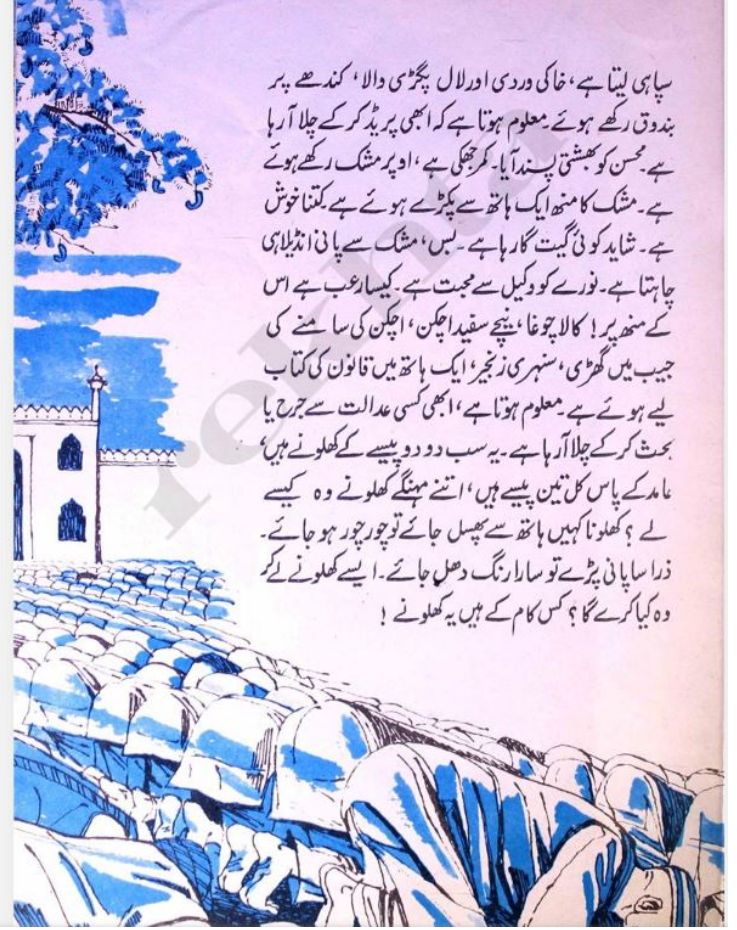
سپاہی لیتا ہے، خاکی وردی اور لال پگڑی والا، کندھے پر بندوق رکھے ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی پریڈ کر کے چلا آ رہا ہے۔ محسن کو بھشتی پسند آیا۔ کمر جھکی ہے، اوپر مشک رکھے ہوئے ہے۔ مشک کا منھ ایک ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہے۔ کتنا خوش ہے۔ شاید کوئی گیت گا رہا ہے۔ بس، مشک سے پانی انڈیلا ہی چاہتا ہے۔ نورے کو وکیل سے محبت ہے۔ کیسا رعب ہے اس کے منھ پر! کالا چوغا، نیچے سفید اچکن، اچکن کی سامنے کی جیب میں گھڑی، سنہری زنجیر، ایک ہاتھ میں قانون کی کتاب لیے ہوئے ہے۔ معلوم ہوتا ہے، ابھی کسی عدالت سے جرح یا بحث کر کے چلا آ رہا ہے۔ یہ سب دو دو پیسے کے کھلونے ہیں، حامد کے پاس کل تین پیسے ہیں، اتنے مہنگے کھلونے وہ کیسے لے؟ کھلونا کہیں ہاتھ سے پھسل جائے تو چور چور ہو جائے۔ ذرا سا پانی پڑے تو سارا رنگ دھل جائے۔ ایسے کھلونے لے کر وہ کیا کرے گا؟ کس کام کے ہیں یہ کھلونے!

ہوئے بھی وہ اس کے پاس چلا جاتا ہے۔ محسن دونے سے ایک ریوڑی نکال کر حامد کی طرف بڑھاتا ہے۔ حامد ہاتھ پھیلاتا ہے، اور محسن ریوڑی اپنے منھ میں رکھ لیتا ہے — محمود، نورے اور سمیع خوب تالیاں بجا کر ہنستے ہیں۔ حامد کھسیانا ہو جاتا ہے۔

محسن — اب کی ضرور دیں گے حامد، اللہ قسم، لے جا۔

حامد — رکھے رہو، کیا میرے پاس پیسے نہیں ہیں؟

سمیع — تین ہی پیسے تو ہیں۔ تین پیسے میں کیا کیا لوگے؟

محمود — ہم سے گلاب جامن لے جاؤ حامد، محسن بدمعاش ہے۔

حامد — مٹھائی کون بڑی نعمت ہے۔ کتاب میں اس کی کئی برائیاں لکھی ہیں۔

محسن — لیکن دل میں کہہ رہے ہوگے کہ ملے تو کھا لیں۔ اپنے پیسے کیوں نہیں نکالتے؟

محمود — ہم سمجھتے ہیں اس کی چالاکی۔ جب ہمارے سارے پیسے خرچ ہو جائیں گے

تو ہمیں للچا للچا کر کھائے گا۔

مٹھائی والوں کے بعد کچھ دکانیں لوہے کی چیزوں کی ہیں، کچھ گلٹ اور کچھ نقلی گہنوں کی۔ لڑکوں کے لیے یہاں دلچسپی کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ سب آگے بڑھ جاتے ہیں۔ حامد لوہے کی دکان پر رک جاتا ہے۔ کئی چمٹے رکھے ہوئے تھے۔ اسے خیال آیا، دادی کے پاس چمٹا نہیں ہے۔ توے سے روٹیاں اتارتی ہیں تو ہاتھ جل جاتا ہے۔ اگر وہ ایک چمٹا (دست پناہ) لے جاکر دادی کو دیدے تو وہ کتنی خوش ہوں گی۔ پھر ان کی انگلیاں کبھی نہ جلیں گی۔ گھر میں ایک کام کی چیز ہوجائے گی۔ کھلونوں سے کیا فائدہ مفت میں پیسے خراب ہوتے ہیں۔ ذرا دیر ہی تو خوشی ہوتی ہے۔ پھر تو کھلونوں کو کوئی آنکھ اٹھاکر بھی نہیں دیکھتا۔ زیادہ تر تو گھر پہنچتے پہنچتے ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہوجاتے ہیں۔ چمٹا کتنے کام کی چیز ہے۔ روٹیاں توے سے اتارلو، چولھے میں سینک لو، کوئی آگ مانگنے آئے تو چٹ پٹ چولھے سے آگ نکال کر اسے دے دو۔ امّاں بے چاری کو کہاں فرصت ہے کہ بازار آئیں، اور اتنے پیسے ہی کہاں ملتے ہیں۔ روز ہاتھ جلا لیتی ہیں — حامد کے ساتھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ سبیل پر سب کے سب شربت پی رہے ہیں۔ دیکھو سب کتنے لالچی ہیں۔ اتنی مٹھائیاں لیں لیکن مجھے کسی نے ایک بھی نہیں دی۔ اس پر کہتے ہیں کہ میرے ساتھ کھیلو، میرا یہ کام کرو۔ اب اگر کسی نے کوئی کام کرنے کو کہا تو پوچھوں گا۔ کھائیں مٹھائیاں، آپ منھ سڑے گا، پھوڑے پھنسیاں نکلیں گی، آپ ہی زبان چٹوری ہوجائے گی۔ سب گھر سے پیسے چرائیں گے اور مار کھائیں گے۔ کتاب میں جھوٹی باتیں تھوڑی لکھی ہیں۔ میری زبان کیوں خراب ہوگی۔ امّاں چمٹا دیکھتے ہی دوڑ کر میرے ہاتھ سے لے لیں گی اور کہیں گی — میرا بچہ امّاں کے لیے چمٹا لایا ہے! ہزاروں دعائیں دیں گی۔ پھر پڑوس کی عورتوں کو دکھائیں گی۔ سارے گاؤں میں واہ واہ مچ جائے گی — حامد چمٹا لایا ہے، کتنا اچھا لڑکا ہے۔ ان لوگوں کے کھلونوں پر کون انھیں دعائیں دے گا۔

بڑوں کی دعائیں سیدھی اللہ کے بارگاہ میں پہنچتی ہیں اور فورًا قبول ہوتی ہیں۔ میرے پاس پیسے نہیں ہیں تبھی تو محسن اور محمود یوں مزاج دکھاتے ہیں۔ میں بھی ان کو مزاج دکھاؤں گا۔ کھیلیں کھلونوں سے اور کھائیں مٹھائیاں۔ میں نہیں کھیلتا کھلونے، کسی کا مزاج کیوں سہوں، میں غریب سہی کسی سے کچھ مانگنے تو نہیں جاتا۔ آخر ابّا جان کبھی نہ کبھی تو آئیں گے۔ امّاں بھی آئیں گی ہی۔ پھر ان لوگوں سے پوچھوں گا، کتنے کھلونے لیں گے؟ ایک ایک کو ٹوکریاں بھر کھلونے دوں اور دکھا دوں کہ دوستوں کے ساتھ اس طرح سلوک کیا جاتا ہے! یہ نہیں کہ ایک پیسے کی ریوڑیاں لیں اور چڑا چڑا کر کھانے لگے — سب کے سب خوب ہنسیں گے کہ حامد نے چمٹا لیا ہے۔ ہنسیں میری بلا سے! اس نے دوکاندار سے پوچھا — یہ چمٹا کتنے کا ہے؟

دوکاندار نے اس کی طرف دیکھا
اور کوئی آدمی ساتھ نہ دیکھ کر کہا — یہ
تمھارے کام کا نہیں ہے جی !
— بکاؤ ہے کہ نہیں ؟
— بکاؤ کیوں نہیں ہے اور یہاں
کیوں لادلائے ہیں ؟
— تو بتاتے کیوں نہیں، کے پیسے
کا ہے ؟
— چھ پیسے لگیں گے۔
حامد کا دل بیٹھ گیا۔
— ٹھیک ٹھیک بتاؤ !
— ٹھیک ٹھیک پانچ پیسے لگیں گے،
لینا ہو لو، نہیں تو چلتے بنو۔
حامد نے دل مضبوط کر کے کہا — تین
پیسے لوگے ؟
یہ کہتا ہوا وہ آگے بڑھا کہ دوکاندار کی
گھڑکیاں نہ سنے۔ لیکن دوکاندار نے
گھڑکیاں نہیں دیں۔ بلا کر چمٹا دیدیا
اور تین پیسے لے لیے۔ حامد نے اسے
اس طرح کندھے پر رکھا جیسے وہ بندوق
ہے اور شان سے اکڑتا ہوا ساتھیوں

کے پاس آیا۔ ذرا سنیں کہ سب کے سب کیا تنقید کرتے ہیں۔
محسن نے ہنس کر کہا — یہ چمٹا کیوں لے آیا پگلے ! اس کا کیا کرے گا۔
حامد نے چمٹے کو زمین پر پٹک کر کہا — ذرا اپنا بھشتی زمین پر گرا تو دو ساری پسلیاں
چور چور ہو جائیں گی۔ بچّا جی کی !
محمود بولا — تو یہ چمٹا کوئی کھلونا ہے۔
حامد — کھلونا کیوں نہیں ہے ! ابھی کندھے پر رکھا تو بندوق ہو گئی۔ ہاتھ میں
لیا، فقیروں کا چمٹا ہو گیا — چاہوں تو اس سے مجیرے کا کام لے سکتا ہوں۔ ایک چمٹا
جما دوں تو تم لوگوں کے سارے کھلونوں کی جان نکل جائے۔ تمھارے کھلونے کتنا ہی زور

لگائیں، میرے چمٹے کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ میرا بہادر شیر ہے یہ چمٹا——
سمیع نے خنجری لی تھی۔ وہ متاثر ہو کر بولا —— میری خنجری سے بدلو گے، دو آنے کی ہے۔

حامد نے خنجری کی طرف حقارت سے دیکھا —— میرا چمٹا چاہے تو تمھاری خنجری کا پیٹ پھاڑ ڈالے۔ بس ایک چمڑے کی جھلّی لگا دی، ڈھب ڈھب بولنے لگی۔ ذرا سا پانی لگ جائے تو ختم ہو جائے۔ میرا بہادر چمٹا آگ میں، پانی میں، طوفان میں برابر ڈٹا کھڑا رہے گا۔

چمٹے نے سبھی کو متاثر کر لیا لیکن اب پیسے کس کے پاس دھرے تھے! پھر میلے سے

دور نکل آئے ہیں۔ نو کب کے بج گئے، دھوپ تیز ہو رہی ہے گھر پہنچنے کی جلدی بھی ہے۔ باپ سے ضد بھی کریں تو اب چمٹا نہیں مل سکتا۔ حامد ہے بڑا چالاک۔ اسی لیے بدمعاش نے پیسے بچا رکھے تھے!

لڑکوں کے اب دو فریق ہو گئے ہیں۔ محسن، محمود، اور نورے ایک طرف ہیں اور حامد اکیلا دوسری طرف۔

سمیع کسی کی طرف نہیں ہے۔ جس کی فتح دیکھے گا اس کی طرف جائے گا۔ لیکن محسن، محمود اور نورے بھی ایک یا دو سال بڑے ہونے پر بھی حامد کے حملوں سے پریشان ہو رہے تھے۔ حامد کے پاس انصاف کی قوت ہے، اخلاق کی ہمّت ہے۔ ایک طرف مٹی ہے دوسری طرف لوہا جو اس وقت اپنے کو فولاد کہہ رہا ہے۔ بھشتی جس کی قدم بوسی کرے۔ فاتح سپاہی مٹی کی بندوق چھوڑ کر بھاگے، وکیل صاحب کی نانی مر جائے۔ مگر یہ چمٹا، بہادر، رستم ہند لپک کر شیر کی گردن پر سوار ہو جائے گا اور اس کی آنکھیں نکال لے گا۔

محسن نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کہا —— اچھا، پانی تو نہیں بھر سکتا۔

حامد نے چمٹے کو سیدھا کھڑا کر کے کہا —— بھشتی کو ایک ڈانٹ بتائے گا تو وہ دوڑتا ہوا پانی لے کر آئے گا اور اس کے دروازے پر چھڑکنے لگے گا۔

محسن ناکام ہو گیا لیکن محمود نے کمک پہنچائی —— اگر بچّا جی پکڑے گئے تو عدالت میں بندھے بندھے پھریں گے تب تو وکیل صاحب کے پیروں پڑیں گے۔

حامد اس سخت وار کا جواب نہ دے سکا۔ اس نے پوچھا —— پکڑنے کون آئے گا؟

نورے نے اکڑ کر کہا —— یہ سپاہی بندوق والا۔

حامد نے منھ چڑا کر کہا —— یہ بے چارے اس بہادر، رستم ہند کو پکڑیں گے، اچھا لاؤ، ابھی ذرا کشتی ہو جائے۔ اس کی صورت دیکھ کر ڈر سے بھاگیں گے۔ پکڑیں گے کیا بے چارے!

محسن کو ایک نئی چوٹ سوجھ گئی — تمھارے چمٹے کا منھ روز آگ میں جلے گا۔

اس نے سمجھا تھا کہ حامد لاجواب ہوجائے گا لیکن یہ بات نہ ہوئی۔ حامد نے فوراً جواب دیا — آگ میں بہادر ہی کودتے ہیں جناب، تمھارے یہ وکیل، سپاہی اور بھشتی لڑکیوں کی طرح گھر میں گھس جائیں گے۔ آگ میں کودنا وہ کام ہے جو یہ رستمِ ہند ہی کرسکتا ہے۔

محمود نے ایک زور اور لگایا — وکیل صاحب کرسی میز پر بیٹھیں گے، تمھارا چمٹا باورچی خانے میں پڑا رہے گا۔

اس دلیل نے سمیع اور نورے کو بھی تازہ دم کردیا۔ کتنی پکّی بات کہی ہے پٹھّے نے۔ چمٹا باورچی خانے میں پڑا رہنے کے سوا اور کر بھی کیا سکتا ہے۔

حامد کو، کوئی معقول جواب نہ سوجھا تو اس نے دھاندلی شروع کی — میرا چمٹا باورچی خانے میں نہیں رہے گا۔ وکیل صاحب کرسی پر بیٹھیں گے تو جاکر انھیں ٹپک دے گا اور اس کا قانون اس کے پیٹ میں ڈال دے گا۔

حامد کے جواب میں بالکل جان نہ تھی، بالکل بے تکی سی بات لیکن قانون پیٹ میں ڈالنے والی بات چھاگئی۔ اور ایسی چھاگئی کہ تینوں سورما منھ تاکتے رہ گئے۔ حامد نے میدان جیت لیا۔ اس کا چمٹا رستمِ ہند ہے۔ اب اس میں محسن، محمود، نورے، سمیع کسی کو بھی چوں چرا کی گنجائش نہیں تھی —

فاتح کو مفتوحوں سے وقار اور خوشامد کا جو خراج ملتا ہے، وہ حامد کو بھی ملا۔ اوروں نے تین تین چار چار آنے خرچ کیے لیکن کوئی کام کی چیز نہ لے سکے۔ حامد نے تین پیسے میں رنگ جمالیا۔ سچ ہی تو ہے، کھلونوں کا کیا بھروسہ؟ ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ حامد کا چمٹا برسوں بنا رہے گا!

صلح کی شرطیں طے ہونے لگیں۔ محسن نے کہا — ذرا اپنا چمٹا دو، ہم بھی دیکھیں، تم ہمارا بھشتی لے کر دیکھو۔

محمود اور نورے نے بھی اپنے اپنے کھلونے پیش کیے۔

حامد کو کوئی اعتراض نہیں۔ چمٹا باری باری سے سب کے ہاتھ میں گیا اور ان کے کھلونے باری باری سے حامد کے ہاتھوں میں آئے۔ کتنے خوبصورت کھلونے ہیں۔

حامد نے ہارنے والوں کے آنسو پونچھے۔ میں تمھیں چڑا رہا تھا، سچ۔ یہ لوہے کا چمٹا بھلا ان کھلونوں کی کیا برابری کرے گا۔ معلوم ہوتا ہے، اب بولے، اب بولے۔

لیکن محسن کی پارٹی کی اس دلاسے سے تسلّی نہ ہوئی۔ چمٹے کا سکّہ خوب بیٹھ گیا تھا چپکا ہوا ٹکٹ اب پانی سے نہیں چھوٹ رہا ہے۔

محسن — لیکن ان کھلونوں کے لیے کوئی ہمیں دعا تو نہیں دے گا۔

محمود — دعا کی بات کرتے ہو۔ ارے کہیں مار نہ پڑے۔ امّاں ضرور کہیں گی کہ میلے میں یہ مٹی کے کھلونے ہی تمھیں ملے۔

حامد کو ماننا پڑا کہ کھلونوں کو دیکھ کر کسی کی ماں اتنی خوش نہ ہوں گی جتنی دادی چمٹے کو دیکھ کر ہوں گی۔ تین پیسوں میں ہی تو اسے سب کچھ کرنا تھا اور ان پیسوں کے اس مصرف پر پچھتاوے کی بالکل ضرورت نہ تھی۔ پھر یہ کہ چمٹا تو رستمِ ہند ہے اور سب ہی کھلونوں کا بادشاہ۔

راستے میں محمود کو بھوک لگی۔ اس کے باپ نے کیلے کھانے کو دیے۔ محمود نے صرف حامد کو ساجھی بنایا۔ اس کے دوسرے یار دوست منھ تاکتے رہ گئے۔ یہ اسی چمٹے کی کرامات تھی۔

گیارہ بجے سارے گاؤں میں چہل پہل ہوگئی۔ میلے والے آگئے۔ محسن کی چھوٹی بہن نے دوڑ کر بھشتی اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور مارے خوشی کے جو اچھلی تو میاں بھشتی نیچے آرہے اور پرلوک سدھارے۔ اس پر بھائی بہن میں مار پیٹ ہوئی۔ دونوں خوب روئے۔ اس کی اماں یہ شور سن کر اور بگڑیں اور دونوں کو اوپر سے دو دو چانٹے رسید کیے۔

میاں نورے کا وکیل زمین پر یا طاق پر تو نہیں بیٹھ سکتا۔ اس کی پوزیشن کا خیال تو رکھنا ہی ہوگا۔ دیوار میں دو کھونٹیاں گاڑی گئیں۔ ان پر لکڑی کا ایک پٹرا رکھا گیا۔ پٹرے پر کاغذ کا قالین بچھایا گیا اور وکیل صاحب راجا بھوج کی طرح تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ نورے نے انھیں پنکھا جھلنا شروع کیا۔ عدالت میں خس کی ٹٹیاں اور بجلی کے پنکھے رہتے ہیں۔ کیا یہاں معمولی پنکھا بھی نہ ہو؟ قانون کی گرمی دماغ پر چڑھ جائے گی یا نہیں۔ بانس کا پنکھا آیا اور نورے ہوا کرنے لگا۔ معلوم نہیں، پنکھے کی ہوا سے یا پنکھے کی چوٹ سے وکیل صاحب تخت سے نیچے آرہے اور ان کی مٹی، مٹی میں مل گئی! پھر بڑے زور شور سے ماتم ہوا اور وکیل صاحب کی لاش گھورے پر پھینک دی گئی۔

اب رہا محمود کا سپاہی۔ اسے چٹ پٹ گاؤں کا پہرا دینے کا چارج مل گیا لیکن پولس کا سپاہی کوئی معمولی آدمی تو نہیں جو اپنے پیروں پر چلے۔ وہ تو پالکی میں چلے گا۔ ایک ٹوکری آئی۔ اس میں لال رنگ کے کچھ پھٹے پرانے چیتھڑے بچھائے گئے۔ اس میں سپاہی صاحب آرام سے لیٹے۔ محمود نے یہ ٹوکری اٹھائی اور اپنے دروازے کا چکر لگانے لگا۔ اس کے دونوں چھوٹے بھائی، چھونے رسونے، والو جاگتے لہو رہو،" پکارتے چلے مگر رات تو اندھیری ہونی چاہیے۔ محمود کو ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ ٹوکری اس کے ہاتھ سے

چھوٹ کر گر پڑتی ہے اور میاں سپاہی اپنی بندوق لیے زمین پر آجاتے ہیں اور ان کی ایک ٹانگ بے کار ہو جاتی ہے۔

محمود کو آج معلوم ہوا کہ وہ ڈاکٹر ہے۔ اس کو ایسا مرہم مل گیا ہے کہ وہ ٹوٹی ٹانگ آناً فاناً جوڑ سکتا ہے۔ بس گولر کا دودھ چاہیے۔ گولر کا دودھ آتا ہے، ٹانگ جوڑ دی جاتی ہے لیکن سپاہی کو جیسے ہی کھڑا کیا جاتا ہے، ٹانگ جواب دے دیتی ہے۔ تب محمود اس کی دوسری ٹانگ بھی

توڑ دیتا ہے۔ اب کم سے کم وہ ایک جگہ آرام سے بیٹھ تو سکتا ہے۔ ایک ٹانگ سے تو نہ چل سکتا تھا، نہ بیٹھ سکتا تھا۔ اب وہ سپاہی سادھو بن گیا ہے۔ اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے پہرا دے گا۔ اور کبھی کبھی اس سے وزن کا کام بھی لیا جا سکے گا۔

اب میاں حامد کا حال سنیے۔ امینہ اس کی آواز سنتے ہی دوڑی اور اسے گود میں اٹھا کر پیار کرنے لگی۔ اچانک اس کے ہاتھ میں چمٹا دیکھ کر وہ چونکی۔

—— یہ دستِ پناہ کہاں سے ملا ؟

—— میں نے مول لیا ہے۔

—— کے پیسے میں ؟

—— تین پیسے میں !

بوڑھی امینہ نے چھاتی پیٹ لی۔ یہ کیسا ناسمجھ لڑکا ہے، کہ دوپہر ہو گئی نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ لایا کیا، چمٹا! سارے میلے میں تجھے کوئی اور چیز نہ ملی جو یہ لوہے کا چمٹا اٹھا لایا ؟

حامد نے خطاوار انداز میں کہا —— تمھاری انگلیاں توے سے جل جاتی تھیں اس لیے میں نے اسے لیا۔

بڑھیا کا غصہ فوراً شفقت میں بدل گیا۔ اور شفقت بھی وہ نہیں جو بیان کی جا سکتی ہے اور اپنی ساری تاثیر لفظوں میں بکھیر دیتی ہے۔ یہ ناقابلِ اظہار شفقت تھی۔ اُف، بچّے نے کتنا ضبط کیا ہوگا۔ جب دوسرے لڑکے کھلونے لے رہے ہوں گے مٹھائیاں کھا رہے ہوں گے اس وقت اس کا دل کتنا للچایا ہوگا۔ اتنا ضبط اس سے ہوا کیسے ؟ وہاں بھی اسے اپنی بڑھیا دادی ہی یاد رہی۔ امینہ کا دل خوشی سے بھر گیا۔

اور تب ایک بڑی دلچسپ بات ہوئی۔ حامد کے چمٹے سے بھی عجیب! بچّے حامد نے تو بوڑھے حامد کا پارٹ ادا کیا تھا، بڑھیا امینہ بچّی امینہ بن گئی۔ وہ

رونے لگی۔ دامن پھیلا کر حامد کو دعائیں دیتی جاتی تھی اور آنکھوں سے آنسو گراتی جاتی تھی۔ حامد اس کا راز کیا سمجھتا !

روने لگی۔ دامن پھیلا کر حامد کو دعائیں دیتی جاتی تھی اور آنکھوں سے آنسو گراتی
جاتی تھی۔ حامد اس کا راز کیا سمجھتا!